اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۹)

بیشک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ ان کو بڑا اجر ملے گا۔

قرآن کا پیغام

تمام انسانوں کے نام

مؤلف

قاری غلام ربانی قاسمی

ناشر

مرکز دعوت فکر اسلامی حیدرآباد، تلنگانہ - انڈیا

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : قرآن کا پیغام تمام انسانوں کے نام

نام مؤلف : قاری غلام ربانی قاسمی

کمپیوٹر کتابت : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

قبا گرافکس حیدرآباد،8801198133

سن طباعت : محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۸ء

تعداد اشاعت : 1000 (ایک ہزار)

قیمت: 60

ناشر : مرکز دعوت فکر اسلامی حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مرکز دعوت فکر اسلامی، نزد مشرقی ایرہ کنٹہ، حیدرآباد-۵۰۰۰۰۵، تلنگانہ-انڈیا
موبائیل نمبر:8466807086, 7416212816
- سنابل بک ڈپو، نزد فائر اسٹیشن مغلپورہ حیدرآباد، فون:9347024207
- ہندوستان پیپر ایموریم مچھلی کمان حیدرآباد، فون:040-24523011
- ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدرآباد، فون:040-24514892
- دکن ٹریڈرس، چار مینار، حیدرآباد، فون:040-66710230
- مکتبۂ کلیمیہ، نزد یوسفن بازار، نامپلی، حیدرآباد، فون:9885655591
- یاسین بکڈپو، نزد فائر اسٹیشن، چار مینار، حیدرآباد،

فہرست عناوین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حرف آغاز

موجودہ زمانہ میں اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ساری دنیا میں غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے، اور ہر طرف اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں پر حملے ہو رہے ہیں، کہیں زبان سے تو کہیں قلم سے اور کہیں ہتھیار سے، اور یہ سب کچھ اپنے آپ نہیں ہو رہا ہے، بلکہ مخالفین اسلام نے منصوبہ بند طریقہ سے قومی اور عالمی میڈیا کے ذریعہ یہ غلط فہمی پھیلائی ہے، اور حملے کروار ہا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ قومی اور عالمی میڈیا سب کے سب تنگ نظر، متعصب، بد دیانت، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں؛ مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ قومی اور عالمی میڈیا کا ایک بہت بڑا حلقہ تنگ نظر متعصب، بد دیانت، اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ہے، یہ بد دیانت میڈیا اسلامی تعلیمات کو بگاڑ کر اسلام کی غلط تصویر دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے، اور لوگوں کو اسلام سے بدظن کر رہا ہے، مسلمانوں پر جھوٹے اور من گھڑت الزامات لگا کر ساری دنیا میں مسلمانوں کو بدنام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا ماحول پیدا کر رہا ہے، دنیا کی مظلوم ترین مسلمان قوم کو ظالم اور دہشت گرد بتلا کر دنیا کے ظالمین کو مسلمانوں کے جان و مال، عزت وآبرو پر حملہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے، جس کی وجہ سے آج ساری دنیا میں مسلمانوں کا قتل ہو رہا ہے، ساری دنیا میں مسلمانوں کا خون ہو رہا ہے، اور دنیا کا ہر خطہ اور ہر حصہ مسلمانوں کے خون سے رنگین ہو رہا ہے، کہیں مسلمانوں کو ان کے گھروں سے، ان کے گاؤں سے اور ان کے شہروں سے نکلنے پر مجبور کر کے ان کے مکانوں دوکانوں، کھیتوں اور باغوں پر قبضہ کیا جا رہا ہے، تو کہیں

مسلمانوں کوشہری حقوق سے محروم کر کے اس ملک سے نکلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، تو کہیں ذہنی اور فکری تربیت کے نام پر مسلمانوں کو کیمپوں میں جمع کر کے مسلمانوں سے ان کا دین وایمان چھینا جا رہا ہے، آج ساری دنیا میں مسلمان جن حالات سے دو چار ہیں وہ سب دشمنان اسلام اور اسلام دشمن میڈیا کے پیدا کردہ حالات ہیں، جن کا خمیازہ ساری دنیا میں مسلمان بھگت رہے ہیں۔

میں نہیں کہتا کہ اس معاملہ میں دشمنان اسلام اور اسلام دشمن میڈیا کا سارا قصور ہے، اور ہم مسلمانوں کا کوئی قصور نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں میری نظر میں دشمنان اسلام اور اسلام دشمن میڈیا دونوں سے بڑا قصور ہم مسلمانوں کا ہے، کیوں کہ ہم مسلمانوں نے اسلام کی سچی اور حقیقی تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش نہ کر کے دشمنان اسلام اور اسلام دشمن میڈیا کو اسلام اور مسلمانوں کی غلط تصویریں دنیا کے سامنے پیش کرنے کا موقع فراہم کیا ہے، انہیں حالات کے پیش نظر قرآن کی روشنی میں زیر نظر کتاب میں نے تحری کی ہے؛ تاکہ اس کتاب کے ذریعہ قرآن کا آفاقی پیغام اور فکری تعلیمات تمام انسانوں تک پہنچ سکے۔

یوں تو اس کائنات میں سیکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، اور کروڑوں مسائل ہیں، مگر ان تمام مسائل میں سب سے بڑے مسائل تین ہیں، سب سے پہلا اور سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں آئی یا کسی ذات نے اس کائنات کو وجود بخشا؛ اگر یہ کائنات خود بخود وجود میں آئی تو کس طرح آئی؟ اور اگر کسی ذات نے اس کائنات کو وجود بخشا تو وہ ذات کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور کیسی ہے؟ اس کائنات کا دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انسان جو تمام مخلوقات میں سب سے اعلیٰ اور سب سے افضل ہے، خود بخود پیدا ہوا یا کسی ذات نے انسان کو پیدا کیا؟ اگر کسی ذات نے پیدا کیا تو وہ ذات کون ہے؟ کہاں ہے اور کیسی ہے؟ تیسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا انسان دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ کالج اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرے

اور زیادہ سے زیادہ مال ودولت جمع کرے، اور عیش وآرام کی زندگی گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوجائے، یا انسان کے اس دنیا میں آنے کا مقصد اور غرض وغایت کچھ اور ہے؟ اگر کچھ اور ہے تو وہ کیا ہے؟ زیر نظر کتاب میں قرآن کی روشنی میں کائنات کے ان ہی تین بڑے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

موجودہ زمانہ سائنس کا زمانہ ہے، اس زمانہ میں سائنسی علوم کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے؛ لیکن سائنس کے سارے علوم یقینی نہیں ہیں، سائنسی علوم کا وہ حصہ جس کا تعلق پریکٹیکل سے ہے، وہ تو یقینی ہے اور جس حصہ کا تعلق پریکٹیکل سے نہیں ہے صرف تھیوری سے ہے تو تھیوری والا سائنسی علوم کا حصہ یقینی نہیں ہے؛ بلکہ ظنی ہے، جس میں غلطی کا امکان بہر حال موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سائنسدانوں کے بہت سے نظریات مرور زمانہ کے ساتھ غلط ثابت ہو چکے ہیں۔

چنانچہ عظیم سائنسداں ارسطو جو ۳۸۴ قبل مسیح مقدونیہ کے علاقہ میں پیدا ہوا یونان کی راجدھانی ایتھنز میں تعلیم حاصل کی اور باقی زندگی ایتھنز ہی میں اس نے گزاری سکندر اعظم کے انتقال کے ایک سال بعد ۳۲۲ قبل مسیح ۶۲ رسال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا، وہ افلاطون کا شاگرد تھا اور سکندر اعظم کا استاذ اور سائنس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا، سکندر اعظم کی عظیم حکومت تو جلد ہی ختم ہوگئی مگر ارسطو کی سائنس کی دنیا پر پندرہ سو سال تک حکومت قائم رہی، اس طویل عرصہ میں دنیا میں ایک بھی ایسا سائنسداں پیدا نہیں ہوا، جو ارسطو کے کسی سائنسی نظریہ کی مخالفت کی جرأت کر سکے، تیرہویں صدی عیسوی میں ایک سائنسداں راجر بیکر نے ارسطو کے بہت سارے سائنسی نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ اگر میرا بس چلے تو میں ارسطو کی تمام کتابوں کو جلا دوں، راجر بیکر کے اس اعلان پر حاکم وقت نے راجر بیکر کے لئے چودہ سال کی سزا سنا کر راجر بیکر کو جیل میں ڈال دیا، اور اسی جیل میں راجر بیکر کا انتقال بھی ہوگیا، سولہویں صدی عیسوی کے ایک سائنسداں برونو نے ارسطو کے نظام شمسی کے نظریات کی تردید

کردی، تو برونو کو زندہ جلا دیا گیا، برونو کے چالیس سال بعد مشہور سائنسداں گیلولو نے ارسطو کے زمین کے ساکت ہونے کے نظریہ کو تسلیم نہیں کیا تو گیلیلو کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی، اسی طرح بعد کے کئی سائنسدانوں کو جنہوں نے ارسطو کے کسی سائنسی نظریہ سے اختلاف کیا اس کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اتنی زبردست گرفت ارسطو کی سائنسی دنیا پر تھی، لیکن اس کے بعد وہ وقت بھی آیا جب ارسطو کے بہت سارے سائنسی نظریات کو دنیا غلط ماننے پر مجبور ہوگئی، اس سے ثابت ہوا کہ سائنسدانوں کے تمام سائنسی نظریات یقینی نہیں ہیں؛ جب کہ اللہ کی کہی ہوئی تمام باتیں یقینی ہیں، جس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے، اسی حقیقت کو کسی شاعر نے اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

صدیوں فلاسفہ کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

غلام ربانی قاسمی
یکم محرم الحرام ۱۴۴۰ھ
مطابق: ۱۲ر ستمبر ۲۰۱۸ء

نوٹ: میڈیا کا معنیٰ ذرائع ابلاغ اور ذرائع ابلاغ کا مطلب کسی بات کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے جو چیزیں ذریعہ بنتی ہیں، ان سب کو ذرائع ابلاغ اور میڈیا کہتے ہیں، جیسے تمام اخبارات، تمام رسائل، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور موجودہ دور میں سوشل میڈیا وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

قرآن کا مختصر تعارف

۱۔ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے، اس کتاب کے بعد اللہ کی طرف سے کوئی دوسری کتاب قیامت تک نازل ہونے والی نہیں۔

۲۔ قرآن اللہ کی طرف سے جلیل القدر فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے تھوڑا تھوڑا کر کے (۲۳) تئیس سال کی مدت میں عرب کی سرزمین پر عربی زبان میں نازل ہوا۔

۳۔ قرآن قیامت تک دنیا میں آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت کے واسطے نازل ہوا، کسی ایک ملک یا ایک قوم کے واسطے نازل نہیں ہوا؛ اس لئے دنیا کے تمام انسانوں کو زندگی میں کم از کم ایک بار قرآن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

۴۔ قرآن آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علمی، سب سے بڑا اور زندۂ جاوید معجزہ ہے اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے نبی اور رسول ہونے کی دلیل اور ثبوت ہے؛ کیوں کہ دنیا کے سارے انسان اور جنات مل کر بھی قرآن جیسی کتاب نہیں بنا سکتے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا (سورہ اسراء:۸۸)

ترجمہ: ''اے نبی! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تمام انسان
اور جنات اس بات کے لئے جمع ہوں کہ ایسا قرآن بنالائیں،
تو ہرگز ایسا قرآن نہیں بنا سکتے؛ اگرچہ ایک دوسرے کی مدد
کرے''

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے، کسی انسان کی بنائی اور لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری نبی ورسول ہیں۔

۵۔ قرآن غیر محرف کتاب ہے، یعنی آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل جس حالت میں نازل ہوا تھا، آج بھی اسی حالت میں باقی اور برقرار ہے، اتنی طویل مدت میں نہ تو ایک حرف کی زیادتی ہوئی اور نہ ایک حرف کی کمی اور نہ کسی ایک لفظ کو بدلا گیا، جب کہ قرآن کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے، جس میں تحریف اور تبدیلی واقع نہ ہوئی ہو، اور وہ اپنی اصلی حالت میں آج دنیا میں موجود ہو۔

۶۔ قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس کو اول سے آخر تک زبانی یاد کرنے اور یاد رکھنے والے لاکھوں مسلمان اس دنیا میں موجود ہیں، جن کو حفّاظ کہا جاتا ہے، قرآن کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسی دوسری کتاب نہیں ہے، جس کو اول سے آخر تک زبانی یاد کرنے والا کوئی ایک آدمی بھی اس دنیا میں موجود ہو۔

۷۔ قرآن دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، خاص کر رمضان المبارک میں، دنیا میں قرآن کے علاوہ اتنی زیادہ پڑھی جانے والی دوسری کوئی کتاب نہیں ہے۔

۸۔ قرآن میں کوئی بات غلط نہیں ہے، قرآن کی ہر بات صحیح اور سچ ہے؛ کیوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور اللہ سے غلطی ہونا ناممکن اور محال ہے۔

۹۔ قرآن علم کا خزانہ ہے، ہدایت کا نور ہے، دل کا چراغ ہے، کامیابی کی کنجی ہے،

اللہ کی معرفت اور رضامندی کے حصول کا ذریعہ ہے، بندہ کو اللہ سے قریب کرنے والا ہے، جہنم سے بچانے والا اور جنت میں لے جانے والا ہے۔

۱۰۔ قرآن میں تخلیق کائنات سے لے کر تحلیل کائنات تک اور تحلیل کائنات سے لے کر تجدید کائنات تک کے مفصل احوال کا تذکرہ ہے۔

۱۱۔ قرآن میں کُل تیس (۳۰) پارے ہیں، اور ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں، جن میں ستاسی (۸۷) مکی ہیں، یعنی مکی زندگی میں نازل ہونے والی سورتیں ہیں، اور ستائیس (۲۷) سورتیں مدنی ہیں، یعنی مدنی زندگی میں نازل ہونے والی سورتیں ہیں اور چھ ہزار دو سو اڑتیس (۶۲۳۸) آیتیں ہیں۔

۱۲۔ قرآن دنیا کی تمام کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت والی کتاب ہے، قرآن کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اگر یہ قرآن انسان کے بجائے پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو پہاڑ قرآن کی عظمت کی تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو جاتا، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (سورۂ حشر: ۲۱)

ترجمہ: اگر ہم اتارتے یہ قرآن کسی پہاڑ پر تو تو دیکھ لیتا کہ وہ دب کر پھٹ جاتا اللہ کے ڈر سے، اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے واسطے؛ تاکہ وہ غور کریں۔

قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، قرآن دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے واسطے نازل ہوا، صرف مسلمانوں کے واسطے نازل نہیں ہوا، قرآن میں ابتداء کائنات سے لے کر انتہاء کائنات تک کے مفصل حالات بیان کئے گئے ہیں، یعنی کائنات کو کس نے پیدا کیا؟ کس کے واسطے پیدا کیا؟ اور کس مقصد سے پیدا کیا؟ ان تمام سوالوں کے

جوابات معلوم کرنے کے لئے ہر انسان کو زندگی میں ایک بار مکمل قرآن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے، اور اس کے بعد ہی قرآن کے بارے میں اپنی رائے قائم کرنی چاہئے، جو لوگ قرآن کو پڑھے بغیر، سمجھے بغیر یا تعصب، تنگ نظری اور عداوت کی عینک سے قرآن کو پڑھ کر قرآن کے بارے میں غلط رائے قائم کرتے ہیں، ایسے تمام لوگوں کی غلط رائے کو ردی کی ٹوکری میں ڈال کر دفن کر دینا چاہئے۔

نوٹ: قرآن پر اعتراض کرنے والے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

۱۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں قرآن کو نہ تو کبھی پڑھا اور نہ سمجھا، بغیر پڑھے اور بغیر سمجھے فیشن کے طور پر قرآن پر اعتراض کرتے ہیں۔

۲۔ وہ لوگ جن کو دشمنان اسلام نے قرآن کے بارے میں جھوٹی اور غلط باتیں بتلا رکھی ہیں، اور وہ لوگ دشمنان اسلام کی جھوٹی اور غلط بتلائی ہوئی باتوں پر یقین کر بیٹھے ہیں، خود قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کی ان لوگوں نے کبھی کوشش نہیں کی، جس کی وجہ سے قرآن سے متعلق صحیح معلومات سے وہ لوگ محروم ہیں۔

۳۔ وہ لوگ جو قرآن کا مطالعہ تو کرتے ہیں؛ مگر تعصب، تنگ نظری اور عداوت کی عینک لگا کر جس کی وجہ سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے وہ لوگ محروم رہتے ہیں، اور قرآن کی مخالفت میں اندھے ہوتے ہیں، اور اپنی آخرت اور عاقبت کو برباد کرتے ہیں، اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُمْ ۔ اے اللہ ہم سب کو قرآن کی مخالفت اور اپنے عذابات سے بچا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

قرآن کا پیغام تمام انسانوں کے نام

سوال: سب سے پہلے کیا تھا؟

جواب: قرآن کہتا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تھا، اللہ کا عرش تھا، اور اللہ کا عرش پانی پر تھا، یعنی سب سے پہلے صرف تین چیزیں تھیں، اللہ، اللہ کا عرش اور پانی، چوتھی کوئی چیز نہیں تھی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ
وَّکَانَ عَرۡشُهٗ عَلَی الۡمَآءِ (سورہ ہود:۷)

اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں ،
اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

کائنات

کائنہ کی جمع کائنات ہے اور کائنہ مشتق ہے کون سے، اور کون کے معنیٰ (ہونا) یعنی عدم سے وجود میں آنا، اور عدم سے وجود میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیزیں پہلے سے موجود نہیں تھیں، بعد میں وجود میں آئیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ تمام موجودات کائنات ہیں، کائنات ممکن الوجود ہے اور اللہ کی ذات واجب الوجود۔

کائنات قرآن کی روشنی میں

قرآن کی روشنی میں کائنات کی تعریف اس طرح ہے، زمین اور جو کچھ زمین میں ہے، چاند، سورج، ستارے، سیارے، آسمان اور جو کچھ آسمان کے اوپر ہے، یعنی بیت المعمور جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے، سدرۃ المنتہیٰ جو فرشتوں اور اللہ کے درمیان

سرحد ہے، یعنی سدرۃ المنتہی سے آگے فرشتے نہیں جا سکتے ،عرش اور کرسی جو سدرۃ المنتہی سے اوپر ہے، اور جو ساری کائنات کا پایہ تخت ہے اور جہاں سے اللہ تعالیٰ ساری کائنات پر حکومت کرتا ہے، اور ساری کائنات کو کنٹرول کرتا ہے، اور عرش وکرسی کے قریب ہی لوح محفوظ ہے، جو اللہ تعالیٰ کا کمپیوٹر ہے جس میں ماضی، حال اور مستقبل کے تمام احوال محفوظ ہیں، یہ ہے کائنات کی حقیقت قرآن کی روشنی میں۔

کائنات سائنسدانوں کی نظر میں

کائنات کے سلسلہ میں سائنسدانوں کا نظریہ یہ ہے کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے، سورج، چاند، ستارے اور سیارے یہ پانچوں ایک مخصوص نظام کے تحت ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اور ان پانچوں کے مجموعہ کو سائنس کی اصطلاح میں کہکشاں کہا جاتا ہے، اور ہماری اس کہکشاں کے علاوہ خلاء میں مزید پچاس کروڑ کہکشائیں ہیں، اور ہر کہکشاں میں دو کھرب سے بھی زیادہ ستارے ہیں، اس طرح سائنسدانوں کی نظر میں پچاس کروڑ کہکشاؤں کے مجموعہ کا نام کائنات ہے، آسمان اور آسمان کے اوپر کی تما چیزوں کا سائنسداں انکار کرتے ہیں۔

سائنسدانوں کے نظریہ کائنات پر ایک نظر

سائنسداں آسمان اور آسمان کے اوپر کی تمام چیزوں کا انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ لوگوں کو اوپر جو آسمان نظر آتا ہے، وہ دراصل آسمان نہیں ؛ بلکہ روشنی اور تاریکی کے اتصال سے وجود میں آنے والا صرف نیلا رنگ ہے، دلیل اور ثبوت کے طور پر سمندر کے پانی کے نیلا رنگ کو پیش کرتے ہیں کہ جس طرح روشنی سمندر کے پانی کی تاریکی سے ٹکراتا ہے تو نیلا رنگ وجود میں آتا ہے، اسی طرح اوپر روشنی تاریکی سے ٹکرا کر نیلا رنگ کو ظاہر کرتا ہے، مگر سائنسدانوں کی اس دلیل اور مثال سے آسمان کا عدم ثابت نہیں ہوتا ؛ بلکہ آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ سمندر کے پانی کا پیلا رنگ صرف روشنی اور تاریکی کے اتصال سے وجود میں نہیں آتا ہے ؛ بلکہ روشنی کا پانی اور تاریکی دو چیزوں سے اتصال

ہوتا ہے، جب نیلا رنگ وجود میں آتا ہے اسی طرح اوپر جو نیلا رنگ نظر آتا ہے وہ صرف روشنی کا تاریکی کے اتصال سے نظر نہیں آتا ہے؛ بلکہ روشنی کا تاریکی اور آسمان دونوں کے اتصال سے نیلا رنگ نظر آتا ہے،توسمندر کے پانی کے نیلا رنگ کی مثال اور دلیل سے آسمان کی نفی نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ اس مثال اور دلیل سے تو آسمان کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

تخلیق کائنات قرآن کی روشنی میں

قرآن کہتا ہے کہ یہ کائنات جو زمین وآسمان، چاند، سورج، ستارے اور سیاروں کے مجموعہ کا نام ہے، خود بخود وجود میں نہیں آئی؛ بلکہ اس کائنات کو اللہ نے وجود بخشا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو قرآن میں کئی مقامات پر تھوڑے فرق کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

آیت ۱: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورہ اعراف: ۵۴)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین چھ دن میں، پھر قرار پکڑا عرش پر، چھپاتا ہے رات کو دن کے اُجالا سے کہ دن رات کے پیچھے چلا آتا ہے دوڑتا ہوا، اور پیدا کئے سورج اور چاند اور تارے تابعدار اپنے حکم کے، سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا، بڑی برکت والا ہے اللہ جو پالنے والا ہے سارے جہان کا۔

آیت ۲: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا

مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (سورہ یونس:۳)

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر، تدبیر کرتا ہے کام کی، کوئی سفارش نہیں کرسکتا مگر اس کی اجازت کے بعد وہ اللہ تمہارا رب ہے، سو اس کی بندگی کرو، کیا تم غور نہیں کرتے۔

آیت ۳: الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ○ (سورہ فرقان:۵۹)

ترجمہ: جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں، پھر قائم ہوا عرش پر، وہ بڑی رحمت والا ہے سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو۔

آیت ۴: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ○ (سورہ سجدہ:۴)

ترجمہ: اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں، پھر قائم ہوا عرش پر کوئی نہیں تمہارا اس کے سوا حمایتی اور نہ سفارشی، پھر کیا تم سوچتے نہیں؟

آیت ۵: قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ

فِيۡهَآ اَقۡوَاتَهَا فِیۡۤ اَرۡبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيۡنَ ○ ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِيَا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيۡنَا طَآئِعِيۡنَ ○ فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ وَاَوۡحٰى فِىۡ كُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ ۖ وَحِفۡظًا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ○

(سورہ حم سجدہ:۹ تا۱۲)

ترجمہ:تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے بنائی زمین دو دن میں، اور برابر کرتے ہو اس کے ساتھ اوروں کو، وہ سارے جہاں کا پروردگار ہے اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے، اور برکت رکھی اس کے اندر اور ٹھہرائی اس میں خوراکیں اس کی، چار دن میں، پورا ہوا پوچھنے والوں کو، پھر متوجہ ہوا آسمان کی طرف اور وہ دھواں ہو رہا تھا، پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے یا زور سے، دونوں نے عرض کیا ہم خوشی سے حاضر ہیں، پھر بنا دیے اس دھواں کو سات آسمان دو دن میں اور اُتارا ہر آسمان میں اپنا حکم اور رونق دی ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے اور محفوظ کر دیا، یہ اعظم ترین کام زبردست خبردار کا ہے۔

آیت٦: وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ○ (سورہ ق:۳۸)

ترجمہ:اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں اور نہ ہوا ہم کو کچھ تکان۔

آیت ۷: هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ○ (سورہ حدید: ۴)

ترجمہ: وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر۔

قرآن کے مختلف مقامات کی یہ ۷/آیتیں اس بات کی دلیل اور ثبوت ہے کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آئی؛ بلکہ اس کائنات کو اللہ نے بنایا اور وجود بخشا ہے۔

سوال ۱ اس کائنات کو اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟

جواب: اس کائنات کو اللہ نے پانی سے پیدا کیا؛ کیوں کہ تخلیق کائنات سے پہلے اللہ، اور اللہ کے عرش کے علاوہ تیسری چیز صرف پانی تھا، اور پانی ایسی چیز ہے کہ جس میں ہر چیز پائی جاتی ہے؛ اس لئے اس کائنات کو اللہ نے پانی سے بنایا ہے۔

سوال ۲ اس کائنات کو اللہ نے کس طرح پیدا فرمایا؟

جواب: اس کائنات کو اللہ نے کلمۂ کن سے پیدا فرمایا ہے؛ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا فرمانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ ہوجا تو وہ چیز ہوجاتی ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آیت ۱: بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ (سورہ بقرہ: ۱۱۷)

ترجمہ: بے نمونہ بنانے والا آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے، اس کو کہ ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔

آیت ۲: قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ (آل عمران: ۴۷)

ترجمہ: بولی مریم اے رب! کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگا یا کسی آدمی نے؟ فرمایا: اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے، جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہوجا تو وہ ہوجاتا ہے۔

آیت ۳: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (آل عمران:۵۹)

ترجمہ: بے شک عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کے مثال جیسی ہے، بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہوجا تو وہ ہوگیا۔

آیت ۴: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (سورہ نحل:۴۰)

ترجمہ: ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہوجا تو وہ ہوجائے۔

آیت ۵: مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (مریم:۳۵)

ترجمہ: اللہ ایسا نہیں ہے کہ رکھے وہ اولاد وہ پاک ذات ہے جب ٹھہرالیتا ہے کسی کام کا کرنا سو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔

آیت ۶: اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (سورہ یٰس:۸۲)

ترجمہ: اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے اس کو ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے۔

آیت ۷: هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ○ (غافر:۶۸)

ترجمہ: وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے پھر جب حکم کرے کسی کام کو تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ کلمۂ کن کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے جب کلمۂ کن فرماتا ہے، تو وہ چیز اسی وقت وجود میں آجاتی ہے، جب کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیح بات یہ ہے کہ کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے جب اللہ تعالیٰ کلمۂ کن فرماتا ہے تو اسی وقت اس چیز کے وجود میں آنے کا آغاز ہو جاتا ہے، اور اس چیز کی تکمیل مطلوبہ وقت پر ہوتی ہے، مثلاً جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کلمۂ کن کے ساتھ ہی اس انسان کے وجود میں آنے کا آغاز ہو جاتا ہے، اور اس کی تکمیل نو مہینہ میں ہوتی ہے، جب انسان پیدا ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمۂ کن کہنے کے ساتھ ہی انسان پیدا ہو جاتا ہے، اور یہی حال تمام مخلوق کا ہے۔

وجود کائنات سائنس دانوں کی نظر میں

سائنس دانوں کے کہنے کے مطابق آج سے تقریباً بیس ارب نوری سال پہلے ایک دھماکہ ہوا، اس دھماکہ کی وجہ سے یہ کائنات وجود میں آئی، اور آرہی ہے، یعنی ہمارے شمسی نظام کی طرح کروڑوں نظام شمسی ظہور میں آتے جارہے ہیں، اور یہ سلسلہ کروڑوں یا اربوں سال تک چلتا رہے گا؛ لیکن ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کائنات کے پھیلاؤ میں سست روی آتی جائے گی، یہاں تک کہ بالکل رُک جائے گی، اور اس کے بعد اس کائنات کا الٹا سفر شروع ہو جائے گا، یعنی تمام نظام شمسی آپس میں ٹکرا کر چکنا چور ہو جائیں گے، اور سب کچھ تحلیل ہو جائے گا، اور جس طرح یہ کائنات نفی سے شروع ہوئی تھی، اسی طرح اس کائنات کی پھر نفی ہو جائے گی، کچھ بھی نہیں رہے گا، یہ ہے کائنات

کے وجود کے سلسلہ میں سائنسدانوں کا نظریہ، یعنی سائنسدانوں کی کائنات نفی سے شروع ہو کر نفی پر ختم ہوتی ہے، جبکہ قرآن کی کائنات اثبات سے شروع ہو کر اثبات پر ختم ہوتی ہے، اور مثبت کائنات منفی کائنات سے بہتر ہے جو سائنسدانوں کے پاس نہیں ہے قرآن کے پاس ہے۔

سائنسدانوں کا نظریہ وجود کائنات پر ایک نظر

سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ کائنات ایک دھماکہ کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے، کافی نہیں ہے؛ اس لیے کہ کسی بھی دھماکہ کے لئے تین چیزوں کا ہونا لازمی ہے، ایک اس چیز کا جس پر دھماکہ کیا جائے، دوسرا اس چیز کا جس سے دھماکہ کیا جائے اور تیسرا دھماکہ کرنے والا یا دھماکہ کرنے والا کے قائم مقام کوئی سبب، سائنسدانوں کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے، سائنسداں حضرات نہ تو یہ بتا سکتے ہیں کہ کس چیز پر دھماکہ ہوا اور نہ یہ بتلا سکتے ہیں کہ کس چیز سے دھماکہ ہوا اور نہ یہ بتلا سکتے ہیں کہ کس نے دھماکہ کیا یا کس سبب سے دھماکہ ہوا، جب کہ قرآن کے پاس ان تمام سوالوں کا جواب موجود ہے، قرآن کہتا ہے کہ پانی پر دھماکہ ہوا، کلمۂ کن کے ذریعہ دھماکہ ہوا اور اللہ نے دھماکہ کر کے اس کائنات کو وجود بخشا، اس لئے سائنسدانوں کو اپنے نظریہ وجود کائنات پر از سرِ نو غور کرنا چاہئے، اور اگر یہ مسئلہ سائنس کے ذریعہ حل نہ ہو سکے تو سائنسدانوں کو سائنس کے ساتھ ساتھ قرآن کا بھی ضرور مطالعہ کرنا چاہئے، خصوصاً قرآن کی ان آیات کا جن کا تعلق تخلیق کائنات سے ہے۔

تخلیق آدم علیہ السلام

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے اور جنات کو نار سے پیدا کرنے کے بعد انسان اول حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، اور اپنے اس ارادہ کو فرشتوں کے سامنے ظاہر فرمایا تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کو غیر ضروری بتلایا، اور اللہ نے کہا کہ حضرت آدم کی پیدائش کی ضرورت کو میں جانتا ہوں، تم

نہیں جانتے،اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا فرمایا،اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام کی تعلیم دی،یعنی تمام چیزوں کا نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھلایا،اوران چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے جب فرشتوں سے ان چیزوں کا نام دریافت کیا تو فرشتوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور جب حضرت آدم علیہ السلام سے ان تمام چیزوں کا نام دریافت کیا گیا تو آدم علیہ السلام نے ان تمام چیزوں کا نام بتلادیا،اس طرح فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہوگئی،اور فرشتوں نے اپنے اوپر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کو تسلیم بھی کرلیا؛ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا،مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا،ابلیس فرشتہ نہیں تھا،جنات کی قوم کا ایک فرد تھا،جو کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں کی صف میں جا بیٹھا اور کثرت عبادت ہی کی وجہ سے اس کے اندر تکبر اور غرور پیدا ہو چکا تھا،اس لئے ابلیس نے اپنے اوپر حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کو تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں،اس لئے میں برتر ہوں اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ کم تر ہیں،لہٰذا برتر کم تر کو سجدہ کس طرح کرسکتا ہے،اور ابلیس نے یہ نہیں سوچا کہ آگ اپنے وجود و بقا میں ایندھن کا محتاج ہوتا ہے جبکہ مٹی اپنے وجود و بقا میں کسی چیز کی محتاج نہیں ہوتی۔

مذکورۂ بالا باتوں کی تصدیق کے لئے ذیل میں قرآنی آیتیں ملاحظہ فرمائیں:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ○وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا
تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫
وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (سورہ بقرہ: ۳۰-۳۴)

ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب، کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے زمین میں، اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو، فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے، اور سکھلا دیے اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام پھر سامنے کیا سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو ان کے نام اگر تم سچے ہو، وہ بولے پاک ہے تو، ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے مجھ کو سکھایا بیشک تو ہی اصل جاننے والا اور حکمت والا ہے، فرمایا اے آدم بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیے اس نے ان کے نام فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں، چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو، اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان، اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن کون؟

قرآن کہتا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ابلیس ہے، کیوں کہ ابلیس آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل تک اللہ کا محبوب اور مقبول بندہ تھا، اور آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم عدولی کی وجہ سے مردود اور ملعون ہو گیا، اور راندۂ درگاہ ہوا، اس لئے ابلیس نے حضرت آدم اور اولاد آدم سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت مانگی، جو ابلیس کو مل گئی، اور اس وقت سے لے کر آج تک وہ بنی آدم سے انتقام لے رہا ہے، اور قیامت تک لیتا رہے گا، ابلیس کا انتقام یہ ہے کہ وہ انسانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال کر انسانوں کے ایمان کو لوٹ لیتا ہے، جنت کے راستہ سے ہٹا کر جہنم کے راستہ پر لے جاتا ہے اور انسان ہے کہ اس بات کو سمجھ نہیں پاتا اور جنت کے راستہ سے ہٹ جاتا ہے اور جہنم کے راستہ پر چلنے لگتا ہے، ان تمام باتوں کی تصدیق کے لئے ذیل میں قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○

قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ○(سورہ اعراف:۱۱-۱۸)

ترجمہ:اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر حکم کیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو، پس سجدہ کیا سب نے مگر ابلیس نہ تھا سجدہ کرنے والوں میں، کہا کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا، بولا میں اس سے بہتر ہوں بنایا تو نے مجھ کو آگ سے اور بنایا اس کو مٹی سے، کہا تو اتر یہاں سے تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں پس باہر نکل تو ذلیل ہے، بولا کہ مہلت دے مجھ کو اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں،فرمایا تجھ کو مہلت دی گئ، بولا تو جیسا تو نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں، تیری سیدھی راہ پر، پھر آؤں گا ان پر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے، اور نہ پائے گا تو اکثروں کو ان میں شکر گزار، کہا نکل یہاں سے برے حال سے مردود ہو کر جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا، تو میں ضرور بھر دوں گا دوزخ کو تم سب سے۔

قرآن کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے اندر سے ان کی بیوی حضرت حوّا علیہا السلام کو پیدا فرمایا اور دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم دیا مگر یہ بھی فرمادیا کہ جنت کے فلاں درخت کا پھل نہیں کھانا، اللہ کے حکم سے دونوں جنت میں رہنے لگے، مگر ابلیس کے لئے یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ ابلیس تو مردود، ملعون اور راندۂ درگاہ ہو جائے اور آدم علیہ السلام اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں عیش کی زندگی گزاریں؛ چنانچہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوانے کے لئے تدبیریں سوچنے لگا اور ایک دن کسی تدبیر سے جنت میں پہنچ گیا، اور حضرت آدم علیہ

السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام دونوں کو بہکایا کہا کہ فلاں درخت کے پھل کے کھانے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اگر آپ لوگ اس درخت کا پھل کھائیں گے تو فرشتے بن جائیں گے یا ہمیشہ کی زندگی آپ لوگوں کو مل جائے گی، اور اس بات پر ابلیس نے قسمیں کھائیں اور کہا کہ میں آپ دونوں کا ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، ابلیس کے قسم کھانے کی وجہ سے حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام دونوں اس کی باتوں میں آگئے، اور ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر اللہ کی نافرمانی کر بیٹھے، جس کی وجہ سے حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہا السلام دونوں کو جنت سے نکلنا پڑا اور اس طرح ابلیس اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا؛ کیوں کہ ابلیس کا مقصد ہی یہی تھا کہ کسی طرح حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام کو جنت سے نکلوا کر اپنی ذلت وخواری کا ان دونوں سے بدلہ لیں، اس سلسلہ کی قرآنی آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا
مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ
الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○
وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ○ فَدَلّٰىهُمَا
بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا
يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ
اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ
لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ قَالَ
اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا
تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ○ (سورہ اعراف: ۲۰-۲۵)

ترجمہ: پھر بہکایا ان دونوں کو شیطان نے تا کہ کھولدے ان پر
وہ چیز جو ان کی نظر سے پوشیدہ تھی، ان کی شرمگاہوں سے اور وہ
بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسی
لئے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے اور ان
دونوں کے آگے قسم کھائی کہ میں یقیناً تمہارا دوست ہوں، پھر
مائل کر لیا اُن دونوں کو دھوکے سے، پھر جب چکھا ان دونوں
نے درخت کو تو کھل گئی ان دونوں پر ان کی شرمگاہیں اور لگے
جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے اور پکارا ان دونوں کو ان
کے رب نے کیا میں نے منع نہیں کیا تھا تم کو اس درخت سے
اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کُھلا دشمن ہے، بولے وہ
دونوں اے ہمارے رب! ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر، اور اگر تو
ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے،
فرمایا تم اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، اور تمہارے
واسطے زمین میں ٹھکانا اور نفع اُٹھانا ہے، ایک وقت تک، فرمایا
اسی میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم
نکالے جاؤ گے۔

قرآن میں مساوات کی تعلیم

قرآن کہتا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انسان ہیں وہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب کی ماں حضرت حوّا علیھا السلام، اور ایک ماں باپ ہونے کی وجہ سے دنیا کے تمام انسان آپس میں بھائی ہیں، چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی، بدھ ہو یا جین، یہودی ہو یا مجوسی، عربی ہو یا عجمی، کالا ہو یا گورا، امیر ہو یا غریب، حاکم یا محکوم، مرد ہو یا عورت سب آپس میں بھائی ہیں،

اور انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں، کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر کوئی فضیلت نہیں ہے، کسی کو اگر کسی پر فضیلت ہے تو وہ ذاتی صلاحیت اور قابلیت کی بنیاد پر نہ کہ نسل اور خاندان کی بنیاد پر، انسانوں نے اپنے من سے بہت سی باتیں گھڑی ہیں، اور من گھڑت باتوں کی بنیاد پر ایک انسان دوسرے انسان سے نفرت کرتا ہے، دشمنی کرتا ہے، ایک دوسرے کی حق تلفی کرتا ہے، اور ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی کرتا ہے، قرآن دنیا کے تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے برابر قرار دیتا ہے، کسی انسان کا کسی دوسرے انسان کو ذلیل وحقیر اور کمتر سمجھنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، ان باتوں کی مناسبت سے ذیل میں قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (سورہ نساء:۱)

ترجمہ: اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں، اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے واسطہ سے سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت والوں سے بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔ (سورہ حجرات: ۱۳)

ترجمہ: اے لوگو! بنایا ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو

پہچانو، بے شک تم میں بڑی عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے
جوتم میں زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

اولادآدم کی پیدائش

قرآن کہتا ہے کہ انسان اول یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے پیدا فرمایا اور انسان ثانی یعنی حضرت حوّا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پایاں پسلی سے پیدا فرمایا، اور باقی تمام انسانوں کو اللہ نے نطفے سے پیدا فرمایا، اس مناسبت سے ذیل میں قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ○ (سورہ مؤمنون:۱۲-۱۶)

ترجمہ: اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے، پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں، پھر بنایا اس بوند سے جما ہوا خون پھر بنائی اس جمے ہوئے خون سے گوشت کی بوٹی پھر بنائی اس گوشت کی بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت پھر اُٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں، سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہترین بنانے والا ہے، پھر اس کے بعد مرو گے پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ○ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ○ ثُمَّ

السَّبِيۡلَ يَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ ○ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنۡشَرَهٗ ○ كَلَّا لَمَّا يَقۡضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ○ (سورہ عبس: ۱۸-۲۳)

ترجمہ: کس چیز سے بنایا اس کو، ایک بوند سے بنایا اس کو پھر اندازہ پر رکھا اس کو، پھر راہ آسان کر دی اس کو، پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوا دیا اس کو، پھر جب چاہا اُٹھا نکالا اس کو، ہرگز نہیں اس نے پورا نہیں کیا جو اس کو فرمایا۔

ڈارون

ڈارون کا پورا نام چارلس ڈارون ہے، یہ شخص ۱۸۰۹ء میں امریکہ میں پیدا ہوا، بچپن میں اس کی دلچسپی چوہوں اور کتوں سے تھی، جس کو دیکھتے ہوئے اس کے باپ نے کہا کہ تم آوارہ لڑکا ہو اور یہ کہ تم اپنی اور اپنے خاندان کی بدنامی کا سبب بنو گے، زمانہ طالب علمی میں ڈارون کو تعلیم سے بھی دلچسپی نہ تھی، جس کو دیکھتے ہوئے اس کے استاد نے ڈارون کو نالائق طالب علم قرار دیا، ڈارون کا باپ ڈاکٹر تھا؛ اس لئے باپ نے ادویہ کی تربیت کے لئے ڈارون کو ایڈنبرا یونیورسٹی میں داخل کرا دیا، مگر ڈارون یہاں بھی ناکام ثابت ہوا، تو مجبور باپ نے جو مذہباً عیسائی تھا ڈارون کو مذہبی مدرسہ میں پادری بننے کے لئے بھیج دیا، جہاں اس نے تین سال تک بے دلی کے ساتھ عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کی، مگر وہ پادری نہ بن سکا، بلکہ آگے چل کر پادری کے نظریات کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوا، اپنے ارتقائی نظریہ کے آراء سے عیسائی مذہب کی جڑ ہی کاٹ ڈالا، حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص انیسویں صدی میں الحاد کا سب سے بڑا داعی تھا۔

ڈارون کی عمر جب ۲۲/سال کی تھی تو اس زمانہ میں بگل نامی جہاز جنوبی امریکہ کے ساحل کا سروے کرنے کے لئے جارہا تھا، ڈارون نے اس مہم میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا اور اس جہاز میں سوار ہو کر سفر پر روانہ ہو گیا، اور ڈارون کا یہ سفر مسلسل پانچ سال تک جاری رہا، اسی سفر کے دوران ڈارون کو ارتقاء کا خیال پیدا ہوا، اور خیال ترقی کر کے جب

پختہ ہوگیا تو اس نے ۱۸۵۹ء میں ایک کتاب لکھ کر اپنے اس نظریہ کا اعلان کیا، ڈارون کا یہ نظریہ دراصل مذاہب کے خلاف بغاوت اور اعلان جنگ تھا اور مذہب پر بہت بڑا حملہ، اس لئے مذہبی لوگ ڈارون کے اس نظریہ کے خلاف میدان میں آ گئے، مگر ڈارون اپنے نظریات کے دفاع کے لئے میدان میں نہیں آیا، اپنے گھر میں دبک کر بیٹھ گیا، اور مخالفین کے کسی بھی اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دیا، یہ اور بات ہے کہ ڈارون کے چاہنے والے بعض لوگوں نے ڈارون کے نظریات کا دفاع کیا، ڈارون ۱۸۸۲ء میں ۷۳؍سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء

ارتقاء کے معنیٰ لغت میں بڑھنا اوپر چڑھنا، بتدریج ترقی کرنا، بتدریج نشونما پانا اور عروج حاصل کرنا، اور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا مطلب دنیا کی ہر چیز میں اضافہ ہونا اور ترقی ہونا، یعنی دنیا کی کوئی چیز ایک حالت پر باقی اور برقرار نہیں رہتی، بلکہ ہر چیز میں اضافہ اور ترقی کا عمل جاری رہتا ہے، چاہے وہ جمادات ہو، نباتات ہو یا حیوانات مثلاً آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو وہ چار پانچ کیلو کا ہوتا ہے، اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس بچہ کی ذات اور صفات میں اضافہ اور ترقی کا عمل جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ اٹھارہ بیس سال کی عمر میں وہ بچہ جوان ہو جاتا ہے، اور اس کی ذات اور صفات دونوں میں بہت کچھ اضافہ اور ترقی ہو جاتا ہے، اسی اضافہ اور ترقی کا نام ارتقاء ہے، اور اسی ارتقاء کو بنیاد بنا کر ڈارون نے دعویٰ کر دیا کہ انسان آدم اور حوّا کی اولاد نہیں ہے، بلکہ بندر یا کسی معدوم مخلوق کی اولاد ہے، جو ارتقاء کے مراحل سے گزر کر انسان میں تبدیل ہو گئی۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر ایک نظر

یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں ارتقاء پایا جاتا ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ دنیا کی کسی چیز میں غیر محدود ارتقاء نہیں پایا جاتا؛ بلکہ محدود ارتقاء پایا جاتا ہے، یعنی دنیا کی ہر چیز کا ارتقاء ایک مرحلہ پر پہنچنے کے بعد رُک جاتا ہے، اور اس کے بعد زوال کا عمل شروع ہوتا

ہے اور زوال کے عمل کی تکمیل پر فنا کا عمل شروع ہوتا ہے، اور فنا کے بعد تبدیل کا عمل شروع ہوتا ہے، مثلاً انسان جب دنیا میں آتا ہے تو وہ بچہ ہوتا ہے مگر ارتقاء کا عمل اس بچہ میں جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بچہ جوان ہو جاتا ہے، اور جب اس کی عمر ۳۳/سال ہو جاتی ہے تو اس میں ارتقاء کا عمل رُک جاتا ہے، اور ۳۴/سال سے ۴۰/سال کی عمر تک ارتقاء کا عمل رکا رہتا ہے، اور اکتالیس سال کی عمر سے زوال کا عمل شروع ہوتا ہے اور زوال کی تکمیل پر فنا کا عمل شروع ہوتا ہے، یعنی کم وبیش سو سال کی عمر میں انسان مر جاتا ہے، اس کے بعد تبدیل کا عمل شروع ہوتا ہے، یعنی مردہ کو اگر زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے تو وہ مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور اگر مردہ کو جلا دیا جاتا ہے تو مردہ پہلے راکھ میں تبدیل ہوتا ہے پھر وہ راکھ مٹی میں تبدیل ہوتی ہے، یعنی ہر حال میں مردہ مٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور یہی حال تمام جاندار کا ہے، جاندار کی حیثیت کے مطابق اور موت کے بعد کی تبدیلی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہوتی ہے، ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف نہیں، دراصل اس مسئلہ کے چار اجزاء ہیں، (۱) ارتقاء (۲) زوال (۳) فنا (۴) تبدیل۔ ارتقاء نام ہے اضافہ کا، زوال نام ہے کمی کا، فنا نام ہے خاتمہ کا، اور تبدیلی نام ہے ایک چیز کا دوسری چیز سے بدل جانے کا۔

نظریہ ارتقاء میں ڈارون کی غلطیاں

(۱) نظریہ ارتقاء میں ڈارون کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ڈارون نے محدود ارتقاء کو غیر محدود ارتقاء سمجھ لیا، جب کہ ساری کائنات کا ارتقاء بھی غیر محدود نہیں ہے؛ چنانچہ دنیا کے تمام سائنسداں اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک مرحلہ پر کائنات کا ارتقاء سست پڑ جائے گا، پھر ارتقاء رک جائے گا، پھر کائنات کی الٹی گنتی شروع ہو جائے گی، یہاں تک کہ یہ کائنات فنا ہو جائے گی، یعنی کچھ نہیں رہے گا، تو جب پوری کائنات کا ارتقاء غیر محدود نہیں ہے تو جاندار میں ارتقاء غیر محدود کس طرح ہو سکتا ہے، یہ ڈارون کی پہلی غلطی ہے۔

(۲) ڈارون کی دوسری غلطی یہ ہے کہ ڈارون کی نظر زوال اور فنا کی طرف نہیں گئی، اور وہ ارتقاء اور تبدیل میں الجھ کر رہ گیا، جس کی وجہ سے وہ خود بھی گمراہ ہوا اور ساری دنیا کو گمراہ کیا اور دنیا کو فائدہ پہنچانے کے بجائے سخت نقصان پہنچایا۔

(۳) ڈارون کی تیسری غلطی یہ ہے کہ ڈارون نے ارتقاء کی تبدیلی اور فنا کی تبدیلی کے فرق کو نہیں سمجھا کہ ارتقائی تبدیلی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے، اور فنائی تبدیلی اعلیٰ سے ادنی کی طرف، اگر ڈارون اس حقیقت کو جان لیتا تو کبھی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ انسان بندر یا کسی معدوم مخلوق کی اولاد ہے، حقیقت یہ ہے کہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ناقص اور نامکمل ہے اور ڈارون کا دعویٰ کہ انسان بندر یا کسی معدوم مخلوق کی اولاد ہے خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ ہے، اس لئے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو جو لوگ مانتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں۔

دراصل جاندار میں تبدیلی دو طرح کی واقع ہوتی ہے، پہلی ارتقائی جس میں ارتقاء کے ساتھ ساتھ شکل وصورت بدلتی رہتی ہے، حقیقت نہیں بدلتی، اور یہ تبدیلی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے، مگر محدود ہوتی ہے، یعنی ایک حد پر پہونچنے کے بعد یہ تبدیلی ارتقاء کے ساتھ رک جاتی ہے، یعنی صرف تبدیلی نہیں رکتی؛ بلکہ اس مقام پر پہونچنے کے بعد ارتقاء بھی رُک جاتا ہے، دوسری فنائی جس کا آغاز تو زوال ہی سے ہو جاتا ہے؛ مگر مکمل تبدیلی فنا کے بعد ہوتی ہے، اس تبدیلی میں حقیقت ہی بدل جاتی ہے، اور یہ تبدیلی اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہوتی ہے، تبدیلی کے اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ڈارون نے دھوکہ کھایا ہے اور خود بھی گمراہ ہوا اور ساری دنیا کو گمراہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈارون نے انسان کو بندر کی اولاد بتلا کر انسانیت کی سب سے بڑی توہین وتذلیل کی ہے، اتنی بڑی توہین وتذلیل کہ اس سے پہلے کسی انسان نے انسانیت کی اتنی بڑی توہین وتذلیل نہیں کی ہے، اس لئے ڈارون کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہی ہے۔

سوال نمبر:(۱) اللہ کون ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب چونکہ قرآن میں موجود ہے؛ اس لئے ذیل کی قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۔ (بقرۃ:۲۵۵)

ترجمہ: اللہ وہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا، زندہ ہے سب کا تھامنے والا، نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے، وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے، کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے، اور گراں نہیں ہے اس کو زمین وآسمان کی حفاظت اور وہی سب سے بلند عظمت والا ہے۔

تشریح:

(۱) **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** - اللہ وہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور بندگی کے لائق صرف اللہ ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے۔

(۲) **اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ** - حَیٌّ کے معنیٰ زندہ یعنی اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ

زندہ رہے گا، نہ پہلے کبھی اس کو موت آئی اور نہ آئندہ کبھی اس کو موت آئے گی، قیوم یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے قیام میں کسی کا محتاج نہیں ہے، جب کہ ساری مخلوقات اپنے قیام وبقا میں اللہ کا محتاج ہے، قیوم اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے، اس صفت میں کوئی دوسرا شامل اور شریک نہیں ہے۔

(۳) لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ - نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ کائنات اللہ کی مرضی کے بغیر ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتی؛ کیوں کہ نیند تو نیند اللہ تعالیٰ کو اونگھ تک نہیں آتی اونگھ نیند کا ابتدائی درجہ ہے۔

(۴) لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ - اسی کی ملکیت ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زمین وآسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے سب کا حقیقی مالک صرف اللہ ہے، اس لئے انسان زمین کے اندر یا زمین کے اوپر کی کسی بھی چیز کا حقیقی مالک اپنے آپ کو نہ سمجھے، انسان کو اللہ نے زندگی میں ان چیزوں کو صرف برتنے ، استعمال کرنے اور فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، ان تمام چیزوں میں سے کسی ایک بھی چیز کا اللہ نے انسان کو حقیقی مالک نہیں بنایا ہے۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ - کون ہے ایسا جو سفارش کرے اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب اور مقبول بندے اللہ سے سفارش کریں گے، مگر اللہ سے اجازت لینے کے بعد، اجازت کے بغیر کوئی اللہ کا کتنا ہی محبوب اور مقبول بندہ کیوں نہ ہو کسی کی سفارش نہیں کرسکتا۔

(۶) يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ - وہ جانتا ہے جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم

کامل مکمل؛ بلکہ اکمل ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کے پیدا ہونے سے پہلے کے حالات اور پیدا ہونے کے بعد کے حالات کو مکمل طور سے جانتا ہے، اسی طرح مخلوقات کے سامنے جو چیزیں ظاہر ہیں اور جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں، ان سب کو بھی جانتا ہے، یعنی ذرہ ذرہ کو اللہ جانتا ہے کوئی ذرہ اللہ کے علم سے باہر نہیں ہے۔

(۷) **وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ** - اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے، مگر جتنا کہ وہی چاہے، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان یا کسی بھی مخلوق کو اللہ کے علمی خزانہ میں سے کسی ایک حصہ کا مکمل علم حاصل نہیں ہوسکتا، مگر علم کا جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کسی کو عطا فرمادے، بس اتنا ہی علم اس کو حاصل ہوسکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

(۸) **وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ** - گنجائش ہے اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کی، مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کرسی آسمان اور زمین دونوں سے بڑی ہے، اتنی بڑی کہ تمام آسمان اور زمین اس کرسی میں آسکتے ہیں۔

(۹) **وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا** - اور گراں نہیں ہے اس کو زمین آسمان کی حفاظت کرنا، مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ زمین وآسمان جو اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے وہ یوں ہی نہیں ہے؛ بلکہ زمین وآسمان اللہ تعالیٰ کی نگہبانی کی وجہ سے محفوظ اور مامون ہے، اگر اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی نگہبانی نہ کرے تو چاند، سورج، ستارے اور زمین وآسمان سب آپس میں ٹکرا کر تباہ وبرباد ہوجائیں، اور یہ کام یعنی زمین وآسمان کی نگہبانی اللہ کے لئے کوئی مشکل اور گراں کام نہیں ہے؛ بلکہ اللہ کے لئے یہ سب کام انتہائی آسان ہے۔

(۱۰) **وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ** - اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا، مطلب اس

آیت کا یہ ہے کہ ہر قسم کی عزت اور ہر طرح کی عظمت اور ہر طرح کی بلندی اور ہر قسم کی شان وشوکت کا مالک اور حقدار صرف اللہ کی ذات ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۗ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○(حشر: ۲۲-۲۴)

ترجمہ: وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا، وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔ وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، وہ بادشاہ ہے، پاک ذات ہے، سب عیبوں سے سالم ،، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست، دباؤ میں لینے والا، عظمت والا، پاک ہے اللہ ان کے شریک بتانے سے۔ وہ اللہ ہے بنانے والا، نکالنے والا، صورت بنانے والا، اس کے سب نام اچھے ہیں، پاکی بیان کرتی ہیں، اس کی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں، وہی ہے زبردست حکمتوں والا۔

تشریح:

(۱) هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ - وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کو صرف اللہ کی بندگی اور عبادت کرنی چاہیئے، اللہ کے علاوہ کسی اور کی بندگی اور عبادت نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲) عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ - جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا- اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی تمام باتوں کو جانتا ہے، چاہے وہ بات چھپی ہوئی ہو یا کھلی ہو، اسی طرح اپنے تمام بندوں کی تمام چھپی ہوئی اور کھلی ہوئی باتوں کو بھی وہ جانتا ہے، اس لئے کوئی انسان غلط کام کر کے اللہ سے چھپ نہیں سکتا، اور نہ بچ سکتا ہے۔

(۳) هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ - وہ بڑا مہربان اور رحم والا ہے-اس جملہ میں رحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مہربان ہے اس دنیا میں فرماں بردار اور نافرمان دونوں پر اور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد والی زندگی میں اللہ صرف فرماں برداروں پر رحم کرے گا، نافرمانوں پر نہیں۔

(۴) هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ -وہ اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی-یہ جملہ بعینہ اس سے پہلے آچکا ہے، اور اس جملہ کی اوپر تشریح ہوچکی ہے۔

(۵) اَلْمَلِكُ - ملک کے معنیٰ بادشاہ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ صرف اللہ ہے، اللہ کے علاوہ اس کائنات کا کوئی دوسرا حقیقی بادشاہ نہیں ہے۔

(۶) اَلْقُدُّوْسُ - پاک ذات-یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر طرح کی کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے، اس کی ذات میں ادنیٰ درجہ کی بھی کمزوری اور نقائص موجود نہیں ہے۔

(۷) السَّلٰمُ -سب عیبوں سے سالم-یعنی اللہ کی ذات میں کوئی عیب نہیں ہے، ہر طرح کے عیب سے اللہ کی ذات پاک اور محفوظ ہے۔

(۸) اَلْمُؤْمِنُ - امان دینے والا-یعنی امن کی دولت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کو اللہ امن عطا فرماتا ہے، اور جس کو امن کی دولت سے اللہ محروم کر دیتا ہے، اس کو کوئی امن نہیں دے سکتا۔

(۹) **الْمُهَيْمِنُ** - پناہ میں لینے والا - یعنی اللہ جس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے، کوئی طاقت اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے، کیوں کہ اللہ کی پناہ میں آنے کے بعد وہ مکمل محفوظ اور مامون ہو جاتا ہے، اس کی طاقت اور قوت کے سامنے کسی کی طاقت اور قوت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

(۱۰) **الْعَزِيْزُ** - زبردست - یعنی سب سے زیادہ طاقت قوت والا، اس کی طاقت اور قوت کے سامنے کسی کی طاقت اور قوت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

(۱۱) **الْجَبَّارُ** - بہت بڑا دباؤ والا - یعنی اس کے دباؤ اور دبدبہ کے سامنے کوئی اپنا سر نہیں اُٹھا سکتا، بلکہ سر اُٹھانے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا۔

(۱۲) **الْمُتَكَبِّر** - عظمت اور بڑائی والا - یعنی ساری عظمت اور بڑائی صرف اللہ کی ذات کے لئے سزاوار ہے، کسی اور کے لئے نہیں۔

(۱۳) **سُبْحٰنَ اللهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** - پاک ہے اللہ ان کے شریک بتلانے سے - یعنی اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک اور شامل ہونے کے لائق اور قابل نہیں ہے؛ اس لئے کسی کو شامل اور شریک نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۴) **هُوَ اللهُ الْخَالِقُ** - وہ اللہ بنانے والا ہے - یعنی تمام چیزون کو پیدا کرنے والا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز اپنے آپ پیدا نہیں ہوئی، بلکہ تمام چیزوں کو اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔

(۱۵) **الْبَارِئُ** - نکالنے والا، روحوں کو پیدا کرنے والا - یعنی زمین سے پیدا ہونے والی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے زمین سے نکالتا ہے، اور روحوں کو پیدا کر کے جسموں میں ڈال کر زندگی عطا کرتا ہے۔

(۱۶) **الْمُصَوِّر** - صورت بنانے والا - یعنی اللہ کی قدرت پر غور کرو کہ انسان کے چہرہ کی تھوڑی سی جگہ میں اربوں انسان کی صورت بناتا ہے، اور ہر ایک کی صورت الگ الگ ہوتی ہے، یہ اللہ کی قدرت نہیں تو کیا ہے؟

(۱۷) لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى -اس کے سب نام اچھے ہیں- یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک ہی نام نہیں ہے؛ بلکہ بہت سے نام ہیں، ان تمام ناموں میں اللہ ذاتی نام ہے، اور باقی تمام نام صفاتی ہیں، ان صفاتی ناموں میں سے ۱۴/صفاتی ناموں کو اللہ نے مذکورہ بالا تین آیتوں میں بیان کیا ہے۔

(۱۸) يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - پاکی بیان کرتی ہیں اس کی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں- یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ کی تقدیس کرتی ہے، اور تسبیح پڑھتی ہے؛ اگرچہ انسان اس کو نہ سن سکے، اور نہ سمجھ سکے، وہی ہے زبردست حکمتوں والا، یعنی وہ اتنا زبردست اور طاقتور ہے کہ اس کے کسی کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، اور وہ حکیم بھی ہے، اس لئے اس کا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے، اس کا کوئی کام فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞

ترجمہ: تو کہہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد، اور نہیں ہے اس کے برابر کوئی۔

تشریح:

(۱) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ -تو کہہ وہ اللہ ایک ہے- یعنی ساری کائنات کا ایک ہی اللہ ہے، وہی ساری کائنات کا خالق ہے، وہی ساری کائنات کا مالک ہے، وہی ساری کائنات کا مدبر اور ناظم ہے اور وہی ساری کائنات کا حاکم ہے اور وہی ساری مخلوق کا رازق اور رزاق ہے۔

(۲) اَللّٰهُ الصَّمَدُ -اللہ بے نیاز ہے- یعنی اللہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، جب کہ ساری کائنات اور کائنات کی ہر چیز اپنے وجود و بقا میں اللہ کا محتاج ہے۔

(۳) لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ - نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد- یعنی توالد

وتناسل سے اللہ کی ذات پاک ہے،کوئی اللہ کا بیٹا اور بیٹی نہیں ہے، اللہ کسی کا باپ نہیں ہے، اللہ کا رشتہ سب کے ساتھ خالق اور مخلوق کا ہے، باپ بیٹا یا بیٹی کا نہیں۔

(۴) **وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ**- اور نہیں ہے اس کے برابر کوئی- یعنی اس کائنات میں سب سے بڑا صرف اللہ ہے، اللہ کے برابر کوئی نہیں ہے، **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** اللہ سب سے بڑا ہے، **اَللّٰهُ اَكْبَرُ**، اللہ سب سے بڑا ہے، **اَللّٰهُ اَكْبَرُ** اللہ سب سے بڑا ہے۔

سوال نمبر:(۲) **اللہ کہاں ہے؟**

جواب: ذات کے اعتبار سے اللہ عرش پر مقیم ہے، اور صفات یعنی علم وقدرت کے اعتبار سے اللہ ہر جگہ موجود ہے، اللہ کا علم ایسا ہے کہ جو باتیں انسانون کے دلوں میں ہوتی ہیں یا دلوں میں آ کر گزر جاتی ہیں، ان سب کو اللہ جانتا ہے، یعنی انسان اپنے کسی بھی قول وفعل کو اللہ سے چھپا نہیں سکتا، چاہے وہ کوئی کام دن کے اُجالا میں کرے یا رات کے اندھیرے میں، سب کو اللہ جانتا ہے، اور اللہ کی قدرت ایسی ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے، یہاں تک کہ انسان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، شہہ رگ انسان کے گلے کی وہ رگ ہے جس کے کٹنے کے بعد انسان زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ فوراً مر جاتا ہے،تو اللہ انسان کے اس رگ سے بھی زیادہ قریب ہے؛ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (سورہ ق:۱۶)

ترجمہ: اور البتہ بنایا ہم نے انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں اور ہم اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

سوال نمبر: (۳) عرش کہاں ہے؟

جواب: عرب کی سرزمین میں مکہ شہر واقع ہے، اور مکہ شہر میں اللہ کا سب سے پہلا گھر کعبہ ہے، جو دنیا کے تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے، یعنی دنیا کے تمام مسلمان اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور صاحب استطاعت مسلمان وہاں جا کر حج اور عمرہ ادا کرتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں، اسی کعبہ کے اوپر ساتویں آسمان پر بیت المعمور ہے، جو فرشتوں کا قبلہ ہے، فرشتے اس گھر میں نماز پڑھتے ہیں، اور اس گھر کا طواف کرتے ہیں، بیت المعمور کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے، جس کی حیثیت اللہ اور فرشتوں کے درمیان سرحد کی ہے، کیوں کہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے فرشتے نہیں جا سکتے، اور سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر عرش اور کرسی ہے، جو ساری کائنات کی راجدھانی ہے، جہاں سے اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا نظام چلاتا ہے، اور ساری کائنات پر حکومت کرتا ہے،

سوال: نمبر (۴) اللہ کیسا ہے؟

جواب: اس دنیا میں اس دنیا کی آنکھ سے انسان اللہ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا، کیوں کہ اللہ کو دیکھنے کی انسانوں کی آنکھوں میں طاقت نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کر دے تو انسانوں کی آنکھیں اللہ کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکے گی، اور سب کی آنکھیں پھٹ جائیں گی، اور سارے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے یا مر جائیں گے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ملنے ایک مرتبہ کوہ طور پر تشریف لے گئے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خواہش پیدا ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیکھنے کی درخواست کی، جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ میں اپنی تجلی اس پہاڑ پر ظاہر کرتا ہوں، اگر تم اس کو برداشت کر لو گے تو پھر دیکھ سکو گے،

جب اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی ظاہر فرمائی تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا، اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے، اور جب ہوش آیا تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کی کہ اس طرح اللہ سے مجھ کو سوال نہیں کرنا چاہیئے؛ کیوں کہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھنا انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے، اس حقیقت سے متعلق قرآنی آیت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (اعراف:۱۴۳)

ترجمہ: اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ کے مطابق اور کلام کیا اس سے اس کے رب نے بولا اے میرے رب تو مجھکو دیکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں، فرمایا: تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا، لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو دیکھ سکے گا، پھر جب تجلی کی اس کے رب نے، پہاڑ کی طرف کر دیا، اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش ہوکر، پھر جب ہوش میں آیا، بولا تیری ذات پاک ہے، میں نے توبہ کی تیری طرف اور سب سے پہلے یقین لایا۔

اے انسان اپنے خالق کو پہچان

قرآن کہتا ہے کہ اے انسان اپنے خالق، مالک، حاکم اور رازق کو پہچان اور اسی کی عبادت اور بندگی کر، اور اس کی عبادت اور بندگی میں کسی کو شامل اور شریک مت کر، کیوں کہ عبادت اور بندگی صرف اللہ کا حق ہے، کسی اور کا حق نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ساری کائنات کو صرف اللہ نے پیدا کیا، کسی اور نے پیدا نہیں کیا، اور تمام انسانوں کو صرف اللہ نے

پیدا کیا کسی اور نے پیدا نہیں کیا، اور اس دنیا مین زندگی گزارنے کے لئے تمام اسباب ووسائل کو اللہ ہی نے پیدا کیا، کسی اور نے پیدا نہیں کیا، تو جب سب کچھ کرنے والی ذات اللہ کی ہے تو عبادت اور بندگی میں کسی دوسرے کا حق کس طرح ہوسکتا ہے، اور جب عبادت اور بندگی میں کسی کا کوئی حق ہی نہیں ہے تو پھر اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت اور بندگی کیوں کرنی چاہئے، یعنی نہیں کرنی چاہئے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (بقرہ:۲۲-۲۱)

ترجمہ: اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے؛ تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ، جس نے بنایا تمہارے واسطے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔

اے انسان اپنی حقیقت کو پہچان

انسان کے اوپر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ اس زمانہ میں انسان کچھ بھی نہیں تھا، انسان کی ابتداء پانی کی ایک بوند سے ہوتی ہے، پانی کا یہ بوند کچھ دنوں کے بعد خون بستہ سے بدل جاتا ہے، اور خون بستہ کچھ دنوں کے بعد گوشت کے لوتھڑا سے بدل جاتا ہے، اور یہ گوشت کا لوتھڑا کچھ دنوں کے بعد ہڈیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس کے بعد ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا کر اور انسان کی صورت بنا کر اس میں روح ڈالدی جاتی ہے، اور اس کے بعد انسان کو دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے، جس وقت انسان دنیا میں آتا ہے، اس

وقت وہ بچہ ہوتا ہے، نہ اس کو عقل ہوتی ہے، اور نہ سمجھ، اور نہ وہ اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے قابل ہوتا ہے، وہ مکمل طور سے ماں کا محتاج ہوتا ہے، اور ماں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے، اس کو اگر کچھ آتا ہے تو صرف ماں کی چھاتی سے دودھ پینا آتا ہے، اس کے علاوہ اس کو کچھ نہیں آتا ہے، انسان کی اسی کمزوری کو بتلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (نحل: ۷۸)

ترجمہ: اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے، نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو، اور دیے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو۔

پھر جب ارتقائی عمل سے گزر کر جب وہ بچہ سولہ سال کا ہوتا ہے تو وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے، اور سولہ سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک اس کی طاقت وقوت اور عروج کا اصل زمانہ ہوتا ہے، اکتالیس سال کی عمر سے زوال کا آغاز ہوتا ہے، اور کم وبیش سو سال کے اندر انسان مرجاتا ہے، اور مرنے کے بعد مٹی میں تبدیل ہوجاتا ہے، اور اس کا وجود مٹ جاتا ہے، یہ ہے انسان کی حقیقت۔

اپنی حقیقت کو پہچاننے کے بعد انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے خالق یعنی اپنے پیدا کرنے والے کو جانے کہ انسان کو کس نے پیدا کیا، اور کس لئے پیدا کیا، بلا مقصد پیدا کیا یا پیدا کرنے والا کا پیدا کرنے کے پیچھے کوئی مقصد ہے، اگر کوئی مقصد ہے تو وہ کیا ہے؟ ان تمام باتوں کا جاننا انسان کے لئے از حد ضروری ہے ان تمام باتوں کی مناسبت سے ذیل میں قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ

نَّبۡتَلِيۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِيۡعًا بَصِيۡرًا ○ اِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ
اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوۡرًا - (دھر: ۳-۱۹)

ترجمہ: کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں کہ نہ تھا وہ کوئی چیز جو زبان پر آتی، ہم نے بنایا آدمی کو ایک دورنگی بوند سے، ہم پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا اس کو ہم نے سننے والا دیکھنے والا، ہم نے اس کو سجھائی راہ یا حق مانتا ہے یا ناشکری کرتا ہے۔

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ-
(ذاریات: ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کے واسطے۔

سورۂ نحل کی ایک آیت اور سورۂ دہر کی تین آیتوں سے ثابت ہوا کہ انسان خودبخود پیدا نہیں ہوا؛ بلکہ انسان کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اور اوپر کی آخری آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اور جنات کو اللہ نے بلا وجہ پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ اپنی بندگی اور عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے، جو شخص زندگی کے مقصد کو پہچان کر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے گا، وہ مرنے کے بعد والی زندگی میں کامیاب ہوگا، اور جو شخص زندگی کے مقصد کو سمجھے بغیر اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارے گا وہ مرنے کے بعد والی زندگی میں ناکام اور نامراد ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ

حرف آخر

ساری کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ ہے۔
ساری کائنات کا حقیقی مالک اللہ ہے۔
ساری کائنات کا حقیقی حاکم اللہ ہے۔
تمام جانداروں کو زندگی اور موت دینے والا اللہ ہے۔
تمام جانداروں کو اولاد دینے والا اللہ ہے۔
تمام جانداروں کو روزی دینے والا اللہ ہے۔
مال و دولت حکومت و سلطنت دینے والا اللہ ہے۔
لوگوں کو عزت اور ذلت دینے والا اللہ ہے۔
بیماروں کو صحت و تندرستی دینے والا اللہ ہے۔
مصیبتوں اور غموں کو دور کرنے والا اللہ ہے۔
سب کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے والا اللہ ہے۔
ہر چھوٹے اور بڑے کاموں پر قدرت رکھنے والا اللہ ہے۔
ہر چھپی اور ظاہری چیزوں کا جاننے والا اللہ ہے۔
سب کی آوازوں اور فریادوں کو سننے والا اللہ ہے۔
دعاء مانگنے والوں کی دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا اللہ ہے۔

دعاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۖ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ

يَرْشُدُوْنَ ○(آل عمران:۱۸۶)

ترجمہ: اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعاء مانگنے والے کی دعاء کو، جب مجھ سے دعاء مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں اور یقین لائیں مجھ پر۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ○

(المؤمن:۶۰)

ترجمہ:''اور (لوگو!) تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ مجھ سے دعائیں مانگو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری عبادت سے سر پھیرتے ہیں، وہ عنقریب داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل ہوکر''

میری دعاء اپنے رب سے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اے ہمارے رب ہماری اس کتاب کو مقبول بنا دیجئے، بے شک آپ سننے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔

سوالات وجوابات

سوال: اللہ تعالیٰ اس دنیا میں انسانوں سے کیا چاہتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اس دنیا میں انسانوں سے یہ چاہتا ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق زندگی نہ گذارے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی

اور احکام کے مطابق زندگی گذارے۔

سوال: انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور احکامات کا علم کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟

جواب: اپنی مرضیات اور احکامات کو انسانوں تک پہونچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ نبیوں اور رسولوں کو بھیجا ہے جن میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

سوال: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں؟ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

جواب: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل عرب کے مشہور شہر مکہ میں اور مشہور قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے، آپ کی والدہ کا نام آمنہ، والد کا نام عبد اللہ اور دادا کا نام عبد المطلب تھا، جب آپ کی عمر چالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت عطا فرمایا، یعنی نبی بنایا، تیرہ سال مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں دس سال تک اللہ تعالیٰ کے پیغامات اور احکامات لوگوں کو پہونچائے اور ۶۳ سال کی عمر میں اس دار فانی سے کوچ کرکے دار البقاء میں تشریف لے گئے، آپ کی زندگی کے مکمل اور مفصل حالات جاننے کے لئے سیرت کی کسی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

سوال: اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور نافرمانی سے کیا فائدہ اور کیا نقصان ہے؟

جواب: فرمان برداری سے مرنے کے بعد والی زندگی میں جنت میں عیش وآرام والی زندگی حاصل ہوگی اور نافرمانی سے جہنم میں تکلیف اور مصیبت والی زندگی ملے گی۔